کتاب و سنت اور اسلافِ اُمت کی تعلیمات کا علمبردار

ماہنامہ

اشرف الجرائد حیدرآباد

Volume:16 Issue:5 May 2023

مدیر

مولانا محمد عبدالقوی

ادارہ اشرف العلوم ٹرسٹ حیدرآباد

www.iauth.in

پیش گفتار

مدارس مقاصد سے دور ہوتے جارہے ہیں[1]

از: مدیر

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ وبہٖ نستعین، و صلی اللہ علی النبی الامین

طلبہ پہلے مدارس میں تربیت کئے جاتے تھے، ان کی شخصی زندگی تو تدیُّن، تقویٰ اور خوف وخشیت اور زہد وقناعت جیسی صفات سے متصف ہو ہی جاتی تھی، ساتھ ہی اُمت مسلمہ کی تعلیم وتربیت اور صلاح وفلاح کے لئے جد وجہد اور ایثار وقربانی کے جذبات سے بھی قلوب معمور ہوجاتے تھے، گویا روشن ضمیری بلند اخلاقی اور بیدار مغزی سب کمالات سے آراستہ ہوجاتے تھے، وہ جب فارغ ہوکر جاتے تو چند ایک کو چھوڑ کر بقیہ سب ہی فضلاء خدمتِ دین کے لئے تیار اور اپنے بڑوں کے حکم واشارے کے منتظر رہتے تھے، جہاں لگادیا جاتا اور جس جگہ بٹھادیا جاتا صلاحیتیں تو کیا اپنی عمریں بھی وہیں کھپادیتے تھے، ملت کے عقائد کی درستگی، اعمال کی پختگی اور رسوم ورواج کے بہ جائے شریعت وسنت سے وابستگی کے لئے دن رات ایک کردیتے اور اس راہ کی ہر مخالفہ و مجاہدہ اور معاشی ابتلاء وآزمائش سے بے پرواہوکر مدارس کے مقاصد کو حاصل کرنے میں کامیاب ہوجاتے تھے امُّ المدارس کے قیام کے بعد کی سوسالہ تاریخ میں جدھر دیکھو فضلاء مدارس کے یہی مناظر نظر آتے ہیں، اس کے

---

[1] یہ ایک مضمون ہے جس میں ایک بڑے مدرسے کے ذمّے دار کی حیثیت سے اور فضلاءِ مدارس کے موجودہ فکری انتشار کے حوالے سے دراصل مدرسے کے ذمے داروں کو مخاطب کیا گیا ہے، بالخصوص بڑے مدرسوں کے ذمّے داروں کو اپنی تشویش کے اظہار کے لئے اپنے تجربات کو ملحوظ رکھا گیا ہے، مجموعی اعتبار سے نہ مدارس کے منافع سے انکار ہے نہ دیگر تحریکوں کے مفید کاموں سے اختلاف، فضلاءِ مدارس کے انتشار کو واضح کرنے کے لئے معاصر تحریکوں کا جو ذکر ضروری تھا وہ کیا گیا بس۔ اسی نکتے کو ملحوظ رکھ کر اس تحریر کو پڑھا جائے کہ فضلاءِ مدارس اور علماءِ کرام خود ایک مستقل جماعت ہیں اُنہیں اپنے بڑوں کے مشورے سے اور اُمت کے غم میں ڈوب کر عالم بننے کے حقیقی مقاصد پر مستقیم رہنا چاہیئے اور خود مدارس کو چاہیئے کہ طلبہ کو اسی جذبۂ جہد وایثار پر تیار کریں۔

بعد تعلیم وتربیت کے معیار میں قدرے تنزل دکھائی دیتا ہے، ادھر پچیس تیس سال کے دوران قابلِ فکر حد تک مقاصد کی بصیرت کے حوالے سے مدارس میں خاصا اضمحلال پیدا ہو گیا ہے۔

گذشتہ چند دہائیوں میں مدارسِ دینیہ میں نیچے سے لے کر اُوپر تک تربیتِ نفس اور صحبتِ اکابر سے محروم اساتذہ کی کثرت ہونے لگی جو باوجود علمی استعداد اور فنی کمالات کے بھی اُن کمالات سے متصف نہیں جو مدارس کے اسلاف کا شعار اور دیوبندیت کا مابہ الامتیاز تھے، عملی اعتبار سے عام دین داروں اور اُن کے درمیان کوئی خاص فاصلہ نہیں، بزرگوں سے یا تو تعلق نہیں ___ بل کہ بعضوں کو ضرورت کا اعتراف بھی نہیں ___ یا پھر برائے نام تعلق ہے، یعنی جانے آنے اور عقیدت کا اظہار کرنے پر اکتفاء ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ طریقِ سلوک واحسان گھر سے خانقاہ تک پہنچنے کا طریق بن کر رہ گیا ہے، شیخ ہمارے علم کا احترام کرے تو تکمیل سلوک کا شبہ تنبیہ وتادیب کرے تو اس کے ناقص و بے تہذیب ہونے کا خطرہ!

خلاصہ یہ کہ بہ قول حضرت علی میاں ندویؒ مدارس کے انحطاط اور افسوس ناک ماحول کا سبب مدارس میں آئیڈیل شخصیات کا نہ ہونا ہے۔ اس صورتِ حال کا لازمی نتیجہ فضلاءِ مدارس میں احساسِ کم تری اور مقاصد سے بے خبری کا پیدا ہو جانا ہے، اگر چہ کہ تاہنوز مسلمان اپنے بچوں کو مدارس دینیہ میں پڑھنے کے لئے بھیج رہے ہیں لیکن ماں باپ سے زیادہ بچوں کو مادّی محرومیوں کا درد ستا رہا ہے، ابتدائی عمروں میں جس ذوق وشوق سے علم حاصل کرتے ہیں باشعور ہونے کے ساتھ ساتھ علمِ دین کی عزت وعظمت کے مقابلے میں حاملینِ علوم عصریہ کی برتری اور قناعت پسندانہ زندگی کے مقابلے میں تموُّل وترفُّہ کی آرزو پیدا ہوتی جارہی ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ فکر ونظر کی تربیت نہ ہونے اور دینی اعتبار سے مؤثر صحبت کے نہ ملنے کی وجہ سے مدارس کی سندیں کالج کی ڈگریوں کے ساتھ جوڑ کے دیکھی جانے لگی ہیں کہ اس سند سے کتنی آمدنی ہے اور اس سے کتنی؟ ظاہر ہے کہ مدارس کی سندوں کے ذریعہ دس بارہ ہزار سے زیادہ سوچا نہیں جاسکتا جب کہ کالج کی ڈگری سے اس سے کہیں زیادہ توقعات وابستہ ہیں، چناں چہ بعض فضلاء مدارس اپنے ماں باپ سے انصاف نہ ملنے کے شکوے کرتے یا عوامُ الناس کی ناقدریوں کے مرثیے پڑھتے یا نظماء مدارس وصدورِ مساجد کے مظالم کی داستانیں بکتے نظر آرہے ہیں، تعجب ہے کہ بعض معتبر علماء بھی دینی تعلیم وتربیت میں انحطاط کا سبب انہی چیزوں کو سمجھتے دکھائی دے رہے ہیں، حالاں کہ میرے نزدیک اگر چہ کہ نظماء وصدور کی کنجوسی؛ ذخیرہ اندوزی؛ اور خودنوازی یقیناً ناقابلِ معافی جرم ہے لیکن فضلاء مدارس کی فکر وسوچ کی مذکورہ بالا ابتری معاشی ابتری کا نتیجہ نہیں ہے، مدارس کے بدلے ہوئے ماحول اور مقاصد پر مظاہر کے غلبے کا نتیجہ ہے، کیوں کہ علماء کی معاشی صورتِ حال پہلے بھی کونسی اچھی تھی؟

لیکن فکر وسوچ کی بلندی اور عزائم ومقاصد کی برتری انہیں کبھی اس غم میں مبتلا ہونے نہیں دیتی تھی، خدا تعالیٰ نے بھی باوجود تنگی کے علماءِ سلف کو کسی ذلت وپستی میں مبتلا ہونے نہیں دیا تھا، آزمائشوں کو سہنے کا ولولہ اور راضی بہ رضا رہ کر اپنے کاموں میں مشغول رہنے کا سلیقہ عطا فرمادیا تھا جس سے ان کو آلام ومصائب کے خاروں میں کلی بن کر چٹکنا اور مسکرانا آگیا تھا۔

ہنسی بھی ہے گو لبوں پہ ہر دم چشم بھی میری تر نہیں
مگر جو دل رو رہا ہے پیہم کسی کو اس کی خبر نہیں

اب فضلاءِ مدارس کے حالات اتنے بدل چکے اور سوچ اتنی گر چکی ہے کہ وہ ان باتوں کو قبول کرنے اور پیچھے کی طرف لوٹنے کے بہ جائے ان باتوں کا مذاق اُڑانے لگے ہیں، چند متموِّل فقہاء ومحدثین کی مثالیں دکھا کر بڑوں کو ہی بے کار کی تسلیاں نہ دینے کی نصیحت کرنے لگے ہیں، میرے خیال میں جونیئرز کی اس سوچ کی ذمہ داری بھی ہم سینئیرز کو لینی ہوگی کیوں کہ مدارس کے ماحول کو سلف کی روش سے ہٹانے کا کام دانستہ یا نادانستہ ہم نے ہی انجام دیا ہے۔ اعاذنا اللہ من اثراتہ المضرّۃ والقبیحۃ

طلبۂ مدارس کو اس کا ایک نقصان یہ ہوا کہ اسکولوں اور کالجوں کی طرح طلبہ مدارس بھی ابتداً تو اساتذہ سے عقیدت ومحبت کا تعلق رکھتے ہیں لیکن انتہاءً انہیں اپنا خیر خواہ سمجھنے؛ جذباتی لگاؤ رکھنے؛ اور اشاروں پر مرمٹنے کا کوئی جذبہ ان کے اندر باقی نہیں رہتا، اعمالِ نافلہ تو کجا احکامِ واجبہ میں تک کوتاہی پیدا ہوجاتی ہے، فراغت کے بعد دفاع ودعوت؛ اصلاحِ اُمت، اور قوم کی خدمت کے بہ جائے معاشی استحکام اور مادّی ترقی کی فکر ذہنوں پر مستولی ہوتی جارہی ہے، یہ تو صحیح ہے کہ اسباب کے درجے میں کوئی نہ کوئی ذریعہ اپنا نالابُدی ہے ہونا بھی چاہیئے لیکن ایک عالمِ دین اور نبی کے جانشین پر جن فکروں کا غلبہ ہوا کرتا تھا اور ہونا چاہیئے تھا وہ کم یاب ہوگیا ہے، اگر امامت وتدریس ذریعۂ معاش نہ ہوسکتے تو شاید اس سے بھی دل چسپی نہ ہوتی، چناں چہ بہت سے فضلاء کو اپنی قسمت پر نادم ہوتے اور اپنے بچوں بچیوں کے لئے عصری علوم کا انتخاب کرتے اور انہیں کمپنیوں اور کارخانوں میں لگاتے اور پھر اس سے بہت خوش ہوتے فخر کرتے دیکھا جارہا ہے۔

پہلے کے مقابلے میں امتِ مسلمہ ہندیہ کو مختلف محاذوں پر قیادت وراہ نمائی کے لئے متحرّک ومخلص لوگوں کی اب بے پناہ ضرورت ہے اور وہ بہ جز علماء کے کوئی اور نہیں ہوسکتے، علماء کو متحرک مخلص وپُرعزم بنانے کی ذمہ داری ظاہر ہے کہ اُن کی تربیت گاہ یعنی مدارسِ اسلامیہ کے ذمہ داروں کی ہے، اس لئے جب تک مدارس کے مؤسسین ومنتظمین کے افکار واہداف صحیح نہیں ہوں گے اُمت کو لائق ومخلص راہ نما نہیں مل سکیں گے، پھر جب

علماء قیادت کے اہل نہیں ہوں گے تو جہلاء ملت کے کاموں کو اپنی گرفت میں لے لیں گے بل کہ بہت حد تک لے بھی چکے ہیں، پھر جاہلوں کی قیادت وامارت ملت کا بیڑہ جس طرح غرق کرے گی بل کہ کر رہی ہے اس کے بیان کی ضرورت نہیں۔

تدریبِ عزائم واہداف: یہ تو مدارس کے اندرونی نظام کی خرابی تھی جو مدارس میں تعلیم کے ساتھ تربیتِ افکار، اور مزاجِ اکابر و مذاقِ اسلاف کی جانب مطلوب توجہ نہ دینے سے متعلق ہے، فضلاء مدارس کے حوالے ہی سے چند بیرونی مسائل ہیں، ایک تو یہ کہ برادرانِ تبلیغ، بالخصوص اُمراءِ جماعت دین کی خدمت کے لئے مدارس کی تعلیم کو کافی نہیں سمجھتے، فراغت کے بعد کم از کم ایک سال ___ اور اب تو دو دو تین تین سال لگانے کی باتیں بھی ہو رہی ہیں ___ جماعت میں لگانے کو فریضۂ اسلامی کے درجے میں ضروری مانتے ہیں، فراغت سے پہلے ہی اس کا پیچھا شروع کر دیتے ہیں، اس کو اور اس کے سرپرستوں کو مجبور کرتے ہیں کہ سال لگانے سے قبل کسی کام پر نہ لگے، بل کہ کئی جگہوں پر تو سال لگائے بغیر کسی بھی دینی کام میں مشغول ہونے کو ناممکن سا بنا کے رکھ دیا گیا ہے، پھر چلو اس کو جماعت میں اس لئے نکالا جاتا کہ جہلاء عوام کو اس کے ذریعے سیکھنے سکھانے کا کوئی فائدہ ہو جائے گا تو پھر بھی اس کی اہمیت کو سمجھا جا سکتا تھا لیکن عملی صورتِ حال جو سامنے ہے وہ یہ ہے کہ اس کے علم سے تو کسی کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا اُسے البتہ جاہل امیر کا پابند فرمان بنا کر دین اور علم دین کے جامع تصور اور عالمِ دین کی بنیادی ذمہ داریوں کا احساس اس کے دل سے نکال دیا جاتا اور اپنے اس روایتی کارِ دین کا کُل دین ہونا گھٹی میں بٹھا دیا جاتا ہے، گویا مدارس کی آٹھ سالہ محنت پر ایک سال میں پانی پھیر دیا جاتا ہے، چناں چہ سال لگانے والے بعض علماء اگر قویُ الاستعداد ہوتے ہیں تو ضابطے کی خانہ پُری کر کے لائن بدل لیتے ہیں اور اکثر جو غبی الاستعداد اور خود اعتمادی وسدادِ فکری سے عاری ہوتے ہیں وہ اسی غلوِّ عملی اور عصبیتِ جماعتی کے شکار ہو کر نہ صرف معاصر بل کہ اکابر کو بھی دین سے غافل اور نبیوں والے کام سے جاہل قرار دینے میں ذرا باک محسوس نہیں کرتے، اپنے اساتذہ ومشائخ اور مدارس وخوانق پر تک زبان طعن واعتراض دراز کرنے سے نہیں شرماتے، اپنی اس چلت پھرت اور اس کے ذریعہ ہونے والی عوامی خدمت ومحنت ___ جو اپنی جگہ ضروری بھی ہے ___ ہی کو کارِ دین اور نبیوں والا کام جتلاتے رہتے ہیں، جب کہ کسی بھی ماثور ومتوارث لائن سے دینِ کامل کی دعوت اور امتِ مسلمہ کی صلاح وفلاح کے لئے کی جانے والی کسی بھی سعی کو نبیوں والا کام کہا جا سکتا ہے لیکن خاص مرکز نظام الدین کی ہدایات وترتیبات والے کام کو حصر کے ساتھ کارِ دین یا نبیوں والا کام کہنا اور اس طرح کہنا کہ بقیہ اس سے بھی

زیادہ اہم کاموں کی وقعت قلوب سے نکلتی رہے بل کہ نکالی جاتی رہے یہ کسی نبی کا کام نہیں تھا، چہ جائے کہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسے جامع وکامل داعی کا، دعوت وتبلیغ کا موجودہ نظام اور مروجہ کام ملتِ اسلامیہ میں شعور دین بیدار کرنے اور دین سیکھنے کی فکریں پیدا کرنے کا ایک مؤثر ذریعہ ہے اور بلا شبہ اہم دینی کام ہے بہ شرطے کہ اسی تصور اور اسی حد میں ہو، ورنہ اس کام کے بارے میں کام میں لگے علماء وعوام دونوں میں قرآن وحدیث کی نصوص کا جس قدر سطحی استعمال کیا جارہا ہے وہ خود ایک قابلِ اصلاح ورجوع فتنہ ہے۔

دعوت وتبلیغ کا جو کام غافل و بے شعور عوام کو علماء ومشائخ سے قریب لانے کے لئے آغاز ہوا تھا وہ اب علماء ومشائخ سے بُعد و بدگمانی کا مضبوط ذریعہ بن گیا ہے، گو کہیں کم کہیں زیادہ، جو نصابِ تعلیم وتربیت دین کی بنیادی فہم اور ضروری عمل کے لئے شروع کیا گیا تھا وہ اب کمالِ دین، روحِ ایمان اور حقیقتِ دین مان لیا گیا ہے، دعوت کے اس محدود ومخصوص طریقۂ کار ہی کے دعوتِ مسنونہ اور بعثتِ انبیاء کا واحد وکامل مقصود ہونے پر اتنا اصرار کیا جارہا ہے کہ ایک بڑی تعداد کا عقیدہ بن چکا ہے اور جس کی وجہ سے دین کے تمام محاذوں اور اہم کاموں کو یا تو بے اصل یا بہ درجۂ ثانوی کردیا گیا ہے، مراکزِ علم کی بلا روک ٹوک کھلے عام تنقیص وتحقیر کی جارہی ہے، جماعت میں شامل علماء نکیر تو کیا کرتے مزید تائید کررہے ہیں، پہلے جماعت کے اکابر بھی مسائل پر گفتگو نہیں کرتے تھے، اُنہیں مسائل علماء اور اہلِ فتویٰ سے معلوم کرلینے کے لئے کہتے تھے، جماعتوں میں نکلے علماء کو بھی فضائل تک محدود رہنا سکھایا جاتا تھا، لیکن رفتہ رفتہ غیر معتبر فضائل تو بلا جھجک پھیلنے ہی لگے تھے اب مسائل ایسے ایسے سامنے آرہے ہیں جو یأتونکم باحادیث مالم تسمعوا انتم ولا آبائکم کا مصداق ہیں۔ گویا وہ علماء جنہیں دین کی جامعیت وکاملیت اور تمام شعبہائے دین کی اہمیت وضرورت کا سبق پڑھایا گیا تھا؛ دینِ عدل وقسط کی خوبیوں سے روشناس کرایا گیا تھا اور پورے دینِ اسلام کا داعی بنایا گیا تھا وہ سال لگانے کے بعد کسی مخصوص ومحدود اور الہامی طریقِ کار کو ـــــ جو دن بہ دن اپنی اصل سے منحرف بھی ہوتا جارہا ہے ـــــ منصوص سمجھنے اور ثابت کرنے میں مشغول ہوجاتے ہیں جب کہ ایسا کرنا بدیہی البطلان ہے، اس پر مزید یہ کہ ملفوظات کو نصوص کا اور شخصیات کو شارح کے بہ جائے شارع کا درجہ دیا جارہا ہے، قرآن وحدیث کے طبع زاد مفہوموں کو جن کے اساتذہ اور اکابر علماء غیر معتبر قرار دے رہے ہیں کام میں لگے اصاغر علماء انہی باتوں کو تجدیدی کارنامہ اور انعاماتِ ربانیہ قرار دے رہے ہیں۔

مشتے از خروارے کے طور پر ایک مقامی امیر کا ایک عالم سے یہ کہنا ہے کہ داعی کا مقام عالم سے زیادہ ہے اس لئے میں نے اپنے کسی بچے کو عالم نہیں بنایا۔ ایک مقامی امیر کا مسجد کے امام سے کہنا ہے کہ اگر مسجد میں

فضائل اعمال ،فضائل صدقات اور منتخب احادیث کے علاوہ چوتھی کتاب آئے گی تو لاشیں گر جائیں گی ۔ایک مقامی امیر کا امام مسجد سے کہنا ہے کہ جس عالم کے چار ماہ بھی نہیں لگے اس کا خاتمہ ایمان پر ہونا مشکل ہے ۔ایک مقامی امیر کا عالم امامِ مسجد کے درس قرآن پر یہ تبصرہ ہے کہ مولانا درسِ قرآن بند کرو فضائل اعمال پڑھو، لوگ قرآن سے نمازی نہیں بنتے فضائل کی تعلیم سے بنتے ہیں ۔ایک مقامی امیر کا کہنا ہے کہ جس طرح نماز کے لئے کعبۃ اللہ قبلہ ہے اسی طرح دعوت کے کام کا قبلہ نظام الدین ہے۔

یہ چند تازہ مثالیں ہیں ورنہ اگر ملک بھر سے علم میں آنے والی ان جاہلی اختراعات کو جمع کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب ہو جائے اور وہ ایسی باتیں ہیں جن کی تاویل متعصب معتقدین تو کر سکتے ہیں لیکن عام مسلمان بھی ان کو صحیح نہیں سمجھ سکتا، فالی اللہ المشتکی و المستعان

نویں صدی ہجری کے آغاز میں اُٹھنے والی مہدوی تحریک کا بھی بہت ہی حسین وجمیل آغاز ہے مؤرخین اس کی تعریف میں رطب اللسان ہیں لیکن غالی عقیدت مندوں نے غلو ہی کے مرض میں مبتلا ہو کر اس تحریک کو دینِ اسلام کے متوازی ایک باقاعدہ دین بنا ڈالا اور اپنے مرشد و راہ نما کو مہدیٔ موعود اور ہم سرِ رسول تک کہہ ڈالا ، آج سارے عالم میں اس کے قائلین موجود ہیں ، کیوں کہ تحریکیں وسیع و عریض ہونے اور عوام میں پھیل جانے کے بعد قابو سے باہر ہو جاتی ہیں ؛ بالخصوص وہ تحریکیں جو کسی پیشگی منصوبے اور دستور اساسی کے بغیر چل پڑتی اور پھیل جاتی ہیں، اور ان میں مؤاخذہ ونکیر کو مخالفت سمجھا جاتا ہو ، چوں کہ ایسی تحریکوں میں نقل در نقل کام چلتا اور ہر چالاک آدمی اپنے کو مستقل بالذات اور بانی تحریک کا مزاج شناس قرار دے کر اپنے کو منواتا رہتا ہے۔

مہدوی تحریک کے ابتدائی داعیوں نے اپنے جہل کو علم بنانے اور اپنے ہفواتِ نفسانیہ کو مراداتِ ربانیہ کہلوانے کے لئے امام تحریک کی طرف سے یہ فلسفہ پیش کیا کہ علم لدُنّی علم ظاہری و شرعی سے اعلیٰ چیز ہے اور وہ صرف امّیوں کو دیا جاتا ہے ، اور اگر کوئی پہلے سے عالمِ دین ہے تو اس کا علمِ ظاہر فراموش کر کے پھر اس کو علمِ لدنّی اور علم مرادِ الٰہی سے سرفراز کیا جاتا ہے ، ظاہر ہے کہ اس طرح انہوں نے پوری چالاکی سے اپنی اختراعات و مزعومات کو شریعت کی کسوٹی پر کسے جانے سے آزاد کرالیا ، جب شریعت کسوٹی نہ رہی تو زبان وقلم جہاں چاہیں بھٹکیں جو چاہیں کہیں وہ علم لدنّی کے کرشماتی سائے کے نیچے مرادِ الٰہی اور احکامِ خداوندی بنتے چلے جائیں گے ، چناں چہ ایسے ہی مفروضات نے لاکھوں مسلمانوں کو دامِ ارتداد میں پھنسالیا اور بڑی خوش فہمی اور کمالِ اعتقاد کے ساتھ پھنسالیا ، اَتباع نے متبوع کی باتوں کو شریعت کی کسوٹی پر کس کے دیکھنے کے بہ جائے شریعت کو متبوع کی باتوں کا مؤید بنانے کا اُلٹا کام شروع کیا ، اس کے لئے کتاب وسنت کا اس قدر جارحانہ استعمال بل کہ

استحصال کیا کہ الامان الحفیظ۔ پورالٹریچر خرافات اور دعاوئِ محضہ سے بھرا پڑا ہے۔

دعوت وتبلیغ کے نام سے مروّج وموجود یہ مبارک تحریک ماضی میں جس کے ثمراتِ خیر سے کسی مؤرخ کو انکار نہیں ہوسکتا اور جس کے کارکنان کا اس کام سے جذباتی لگاؤ اور اس کے لئے ہر طرح کا ایثار وقربانی کسی نظر والے سے مخفی نہیں ہے، بہ ظاہر اب اسی خطرہ کی زد میں محسوس ہورہی ہے۔ میں نہ کوئی مؤرخ ہوں نہ محقق، علم اور علماء کا ادنیٰ خادم ہوں لیکن جن علماء سے دین کو سمجھا اور جانا ہوں اور تاریخِ اسلام میں سچّے داعیوں اور اچھی تحریکوں کے صراطِ مستقیم سے پھسل جانے کے اسباب میں غور کرسکا ہوں اس کی روشنی میں پوری دیانت وامانت کے ساتھ اور امتِ مسلمہ کی بہت بڑی تعداد کے حق میں خیر خواہی کرتے ہوئے کسی تعصب وعناد کے بغیر محض رضائے الٰہی کی نیت سے یہ عرض کردینا اب فریضۂ وقت سمجھتا ہوں کہ اگر فضلاء مدارس اس تحریک کا حصہ بننا چاہتے ہیں تو بہ حیثیت مصلحِ افکار وانظار اس میں شامل ہوں اور اگر اس کی صلاحیت یا اس پر قدرت نہیں ہے تو محض تائید وتقویت کے لئے شامل ہونا ایک اپنی راہ سے بھٹکتی اور دین کے نام پر دین کے متوارث تصویر کو بدلتی تحریک کا ساتھ دینا ہوگا، جس کو لکھتے ہوئے قلم کانپتا اور دل دُکھی ہوتا ہے مگر اس تحریک کے اکثری احوال اور عقیدت مند کارکنوں کا انداز ___ اللہ بچائے ___ کسی نامعلوم مستقبل اور الم ناک انجام کی خبر دے رہا ہے۔

انہی دنوں سال لگا کر آئے ایک عالم نے بتلایا کہ بعض باتیں تعلیم کے دوران مجھے کھٹکتی تھیں اور میں ٹوکنا چاہتا تھا تو امیر صاحب کبھی کہتے ابھی تو وہ سیکھ رہا ہے ٹوکنے سے اس کی دل شکنی ہوگی اور کبھی کہتے وہ بہت پُرانے آدمی ہیں ان کے احترام کے خلاف ہوگا، یہ کیا دین ہے؟ چاہے لوگوں میں غلط باتیں پھیلتی رہیں مگر دین کے بہ جائے نفس وشخص کا زیادہ خیال رکھا جائے۔ سبحان اللہ!

ایک سال میں چل رہے عالم نے چند ماہ قبل بتایا کہ ہر چلّے کے بعد اصولاً مرکز حاضر ہونا ہوتا ہے، میں تین مرتبہ حاضر ہوا اور عصر کے بعد اساتذۂ مدرسہ کی مجلس میں شرکت کیا، تینوں مرتبہ یہ بات ضرور سامنے آئی کہ اِس دور کے علماء کی اتباع درست نہیں ہے، میں نے پوچھا کہ پھر مرکز کے علماء بھی تو اِس دور کے عالم ہیں، پھر ان کی باتیں بھی کیوں سنی اور مانی جائیں؟۔ دراصل علماء سے ان لوگوں کی مراد کام میں نہیں لگے علماء ہیں، اس لئے کہ میں نے جب ایک تبلیغی نوجوان سے بستی کے عالم سے نہ ملنے اور ان سے دوسروں کو بھی استفادہ نہ کرنے دینے کی وجہ پوچھی تو اس نے جواب دیا کہ ہمارے علماء ہمارے لئے کافی ہیں، دوسرے علماء کی ہمیں ضرورت نہیں، میں نے کہا کہ ہمارے تمہارے کا مطلب یہ ہے کہ آپ لوگ جمہور علماءِ حق سے ہٹ کر کوئی مستقل فرقہ اور علاحدہ نظریہ ہیں اور آپ کے علماء بھی الگ ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ آج کل ہر تحریک اپنے لوگوں کو علماء سے دور اور

بدگمان کر کے ہی اپنی تحریک کی آبرو بچا رہی ہے لیکن اس تحریک نے ایسا کرنے کے بہ جائے علماء کو اپنے سانچے میں ڈھال لینے کا بیڑہ اُٹھایا ہوا ہے تاکہ نہ کوئی ٹوکنے والا رہے نہ حدود وقیود اور اصول کی بالا دستی قائم رہ سکے۔

اس کی وجہ میرے دریافت کرنے پر ایک تبلیغی خانوادے میں پیدا ہو کر تبلیغی ماحول میں عالم بن کر پچیس سال تک اندرون و بیرونِ ملک کام کر کے اور بڑوں کے قریب پہنچ کر علاحدہ ہونے والے عالمِ دین نے جواَب بھی موجود ہیں یہ بتلائی کہ تبلیغی مراکز کا کنٹرول کہیں بھی علماء کے ہاتھ میں نہیں ہوتا تجّار اور مال داروں کے قبضے میں ہوتا ہے، علماء خواہ کام میں لگے ہوئے ہی کیوں نہ ہوں، یہ جواب میری تحقیق[1] کی تصویب معلوم ہوا، واللہ اعلم!

مدارس کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے فضلاء کی ایسی تربیت کریں کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو کما حقہ سمجھ کر اس کے لئے اپنے کو وقف کردیں، ان کا علم اُنہیں راہِ اعتدال سے نہ ہٹائے اور صحیح وسقیم میں امتیاز کرائے معروف ومنکر پر ان کی نظر ہو تاکہ وہ معروفات کی اشاعت اور منکرات کے ازالے کی فکر علی وجہ البصیرت کرسکیں، کسی بھی کام کے اُس حد تک معاون رہیں جس حد تک شریعت میں گنجائش ہو اور اپنے لئے ان کاموں کا انتخاب کریں جن کی امت کو زیادہ ضرورت ہو، علاقے اور زمانے کی ضرورتوں کو سمجھ سکیں، نہیں تو پھر عامی وعالم میں کیا فرق باقی رہ جائے گا، وہ بھی جذبات کے بندے یہ بھی خیالات وخواہشات کے پیرو! احکام کی متابعت وحفاظت کون کرے گا؟ جب کہ دین نام ہی ہے خواہشات سے نکل کر احکام کے ماتحت ہوجانے کا۔ علماء کا کام دین کے اسی مزاج کو امت میں قائم رکھنے کا ہے اگر دعوت وتبلیغ میں لگے اکثر علماء سطحی اور وضعی باتوں کو عوام کی طرح بیان کرتے اور پھیلاتے رہیں گے اور فضائل کے بیان میں قدرِ جواز پر اکتفاء نہ کریں گے، غلط بیانیوں پر روک تھام نہیں کریں گے تو پھر جہل کا یہ سلسلہ دعوت کی تحریک کو مہدویت کی تحریک ہی کی طرح ایک مستقل ومتوازی مذہب بنا کے رکھ دے گا جس کی آواز لا فعل اللہ اب آنے لگی ہے۔

دوسرا مسئلہ فضلاء کے حوالے سے یہ ہے کہ اِدھر کچھ عرصے سے فضلاء مدارس کی اس بے بصیرت صورتِ حال کو دیکھتے ہوئے جماعتِ اسلامی ہند نے بھی اپنے بازوئے حمیت وہدایت اُن کے لئے کھول دئے ہیں، یہ جماعت ابتداءً وبناءً تو بہت سے علماء اپنے جلو میں لئے ہوئے تھی لیکن علماء کی اسی امتیازی شان نے کہ وہ ہر نظریئے کو اہلُ السنۃ والجماعت کے افکار کی روشنی میں بنے عقائد واصول پر رکھ کر اس نظریئے کے سداد وفساد کا فیصلہ کرتے ہیں انہیں میر جماعت کے افکار ونظریات سے علاحدہ کروالیا، کیوں کہ علماء اصلاً حق کے حامی وداعی ہوتے ہیں، نظریے کو اصول پر پرکھتے اور کسی شخصیت کی عظمت سے متأثر نہیں ہوتے ہیں، ان علماء کے علاحدہ

---

[1] اس تحقیق کا ماحصل کئی برس قبل میں نے مرتب کر کے رکھا ہوا ہے جسے اکابر سے تصویب کرانا باقی ہے۔

ہونے کے بعد بھی جماعت کو جامعۃ الفلاح، جامعۃ الاصلاح، اور ندوۃ العلماء سے اچھے علماء ملتے رہے جنہوں نے اس کی علمی ساکھ کو برقرار رکھا، اچھے اور اہم موضوعات پر خطاب وکتاب کا انہیں ملکہ حاصل تھا، لیکن اولُ الذکر دو مدارس کے اضمحلال سے یہ سلسلہ بھی اب نا کے درجے میں رہ گیا تو ان حضرات نے ملک کے تمام ہی جامعات کے فضلاء کو مانوس اور جماعت میں شامل کرنے کا بیڑہ اُٹھایا ہے۔

ویسے تو وہ اپنے نظریات اور بانیٔ جماعت کے تأثرات کی روشنی میں مدارس سے فارغ اِن علماء کو فرسودہ خیال اور زمانے کے تقاضوں اور دعوت کے فرائض کے لئے نااہل سمجھے ہوئے تھے، بل کہ اب بھی کچھ زیادہ تبدیلی نظر نہیں آتی پھر بھی علماء کی قلت کو جماعت کے استحکام کے لئے اچھا نہ سمجھتے ہوئے چند سال قبل علماء کنونشن کا ملک گیر پیمانے پر آغاز کیا تاہم اس میں معتبر علماء کا کچھ زیادہ رجحان نہ رہا، اس کا سبب جماعت کے ٹائٹل کا استعمال تھا، پھر انہوں نے اپنے ہم خیال چند علماء کرام کو آگے کر کے وفاق العلماء کی بنیاد ڈالی جو اگرچہ جماعت ہی کی ایک شاخ ہے لیکن ایس آئی او کی طرح مستقل ایجنڈہ اور وسعتِ فکر کے ساتھ قائم کی گئی ہے۔ وفاق کے پروگرام اہتمام سے کئے جارہے ہیں اور جماعت کے کارکنان اپنے اپنے حلقوں کے علماء کو بہت ہی اکرام کے ساتھ لاکر ان میں شرکت کروارہے ہیں، جماعت کے قائدین علماء سے متعلق ان اقدامات میں گرچہ مخلص ہوں مگر کوئی جماعت اپنے نظریے کے رنگ واثر سے خالی نہیں ہوتی، بالخصوص جس طبقے کو کل تک دقیانوس؛ تنگ نظر؛ ذہنی غلام؛ حالات وتقاضاہائے زمانہ سے بے خبر وبے بصیرت سمجھا جاتا تھا حتیٰ کہ بانیٔ جماعت نے اپنے اس طبقے میں سے نہ ہونے پر خدا کا شکر ادا کیا تھا، اس طبقے کے ساتھ یہ حمیت وہم دردی اُن سے استفادے کے لئے تو نہیں ہوسکتی اُن کی فکری اصلاح اور ذہنی غلامی سے آزادی دلانے کے لئے ہی ہوسکتی ہے۔

اپنے مراکز علم اور اساتذہ کرام کی سرپرستی سے آزاد اور اپنے آپ میں مستقل بالذات فضلائے مدارس کو اس میں کوئی قباحت نظر نہیں آئی اور مسلکی تصلّب کو ___ نہ کہ تعصُّب ___ اور اسلاف واکابر کی دیانت وصداقت کو نقصان پہنچنے کا کوئی خطرہ محسوس نہیں کیا، دوسری طرف آج کل مدارس میں تربیتِ افکار وصحبتِ اکابر کے فقدان نے راحت وشہرت کی ہوس بھی فضلاء کے دلوں میں برقرار رکھی ہوئی ہے، نیز اعجاب کل ذی رأی برأیه کی پیشن گوئی بھی تیزی سے عام ہوتی جارہی ہے، ان چند در چند وجوہات کی بناء فضلاءِ مدارس کی اچھی خاص تعداد ان پروگراموں کی طرف مائل اور ان میں شامل ہوتی جارہی ہے۔ یہ صورتِ حال بھی ذمہ دارانِ مدارس کے لئے لمحۂ فکریہ اور اپنے مقاصد کے حصول میں نشانِ سوالیہ ہے کہ اُن کے فضلاء بہ جائے اس کے کہ جماعت کے اندر موجود اکابر محققین اور علماء پیشین کے نشان زد کردہ بنیادی اغلاط اور اہل السنۃ والجماعت سے فکری انحراف کے

باوجود علماء ہی کی نظریاتی تنقیص وتحقیر کے اثر سے خود بچتے اور ان کی اصلاح کی کوشش کرتے خود ہی اُن سے متأثر ہوتے چلے جائیں اور بالآخر اپنے بڑوں کو اُن پر تنقید واختلاف میں قصوروار یا غیر ذمہ دار سمجھنے لگیں۔

میں ہرگز اس کا مخالف نہیں کہ سینئر علماء کرام جو نظریات وافکار کے فرق پر نظر رکھے ہوئے ہیں وہ اختلاف کے حدود کو ملحوظ رکھتے ہوئے قومی وملّی ضرورتوں پر ہر اس جماعت کے ساتھ دست تعاون بڑھائیں جو اسلام میں داخل اور مسلمانوں میں شامل ہیں، کیوں کہ ان جماعتوں سے جہاں اختلاف ہے وہیں ملت کے تئیں ان کے اچھے کاموں اور خدماتِ حسنہ سے انکار بھی نہیں ہے، پر اختلاف چوں کہ ذاتیات وشخصیات کا نہیں ہے عقیدے اور فکر سلف کے تحفظ کا ہے اس لئے اس میں تساہل وتسامح عالمِ دین کی خوبی تو کیا ہوسکتی اس کے دین پر بدترین داغ اور امانتِ علم کی خوف ناک خیانت ہے، والعیاذ باللہ!

تیسرا نقصان مدارس اسلامیہ کی سرگرمیوں کا جو ہو رہا ہے وہ ملک میں موجود بعض تعلیمی اداروں بالخصوص شاہین اکیڈمی بیدر کے ذمہ داروں کی طرف سے حفاظ وعلماء کو پُرکشش ترغیبات کے ذریعہ علوم عصریہ اور پروفیشنل کورسس کی طرف راغب کرنے کا ہے، شاہین اکیڈمی نے تو باقاعدہ بڑے پیمانے پر اور پورے ملک کا احاطہ کر کے خطیر مادی وسائل کے ذریعہ اس کا بیڑہ اُٹھایا ہوا ہے کہ حفاظ وعلماء کو کمرشیل عصری لائنوں کے لائق بنایا جائے، اس میں کوئی شک نہیں کہ جو فوائد بتائے جارہے ہیں وہ فائدے ہی ہیں مگر ایک تو محض دنیا کے ہیں دوسرے فضلاءِ مدارس کے اپنے مقاصد ومبادین سے ہٹ جانے کے خطرے پر مشتمل ہیں۔ جن اداروں اور شخصیتوں کو اس کا خیال ہوا ہے کہ حافظوں عالموں کو ڈاکٹر انجینئر بنا کر خود کفیل کردیا جائے ان کا پہلے سے بھی یہی خیال ہے کہ علماء عوام کا بوجھ بن جاتے ہیں، مدارس اپنے فضلاء کے لئے روزگار کا کوئی بندوبست نہیں کرپاتے، علماء اور خدام دین کو خود کفیل ہونا اور معاشی ترقیوں میں آگے بڑھتے رہنا چاہیئے، وغیرہ۔ حفاظ وعلماء کے لئے کئے جارہے یہ اقدامات علماء کے تئیں اُن کے انہی احساسات کا نتیجہ ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان حضرات کو کبھی یہ خیال نہیں آیا اور نہ اس کا کوئی منصوبہ سامنے لایا ہے کہ ڈاکٹرز انجینئرز اور دیگر پروفیشنل کورسس کئے ہوئے گریجویٹس کو حافظ وعالم بنایا جائے حالاں کہ اس صورت میں ان کا تو بہت فائدہ ہوجاتا مگر امت کا کچھ نقصان نہ ہوتا۔

ایسا نہ کرکے حفاظ وعلماء کو ہدف بنانے میں ان حضرات کے کئی ایک مفادات ہیں، ایک تو خود ان کا یہ کہنا ہے کہ حافظ وعالم بچے ذہین ہوتے ہیں اور اچھے نتائج لاکر اپنی تعلیم گاہ کا نام روشن کرتے ہیں، دوسرے حفاظ وعلماء کو پروفیشن سے وابستہ کرانا بہت مال داروں اور جدید تعلیم یافتہ لوگوں کی دلی تمنا ہونے کی بنا وہ ان بچوں کی

بیش بہا امداد و کفالت کرنے کے لئے بہ خوشی تیار ہیں اور کر رہے ہیں، یہ متمول اور تعلیم یافتہ طبقے کے اس مفروضے کا نتیجہ ہے کہ علماء کو خود کفیل ہونا چاہیئے، قوم کے ٹکڑوں پر نہیں پلنا چاہیئے، نیز ان کے نزدیک مدارسِ دینیہ کی سرگرمیاں امت کی کوئی خاص ضرورت بھی نہیں ہیں، بل کہ ملت کے بچوں کا ضیاع؛ بے روزگاروں کا اضافہ؛ اور معصوم بچوں کو رفتارِ زمانہ کے ساتھ چلنے سے محروم کردینے کا سبب ہیں، اگرچہ ان خیالات میں وہ کتنے ہی مخلص ہوں اور حفاظ و علماء سے ہمدردی و خیر خواہی ہی ان کا منشاء کیوں نہ ہو پھر بھی ان خیالات کا اصل سبب ان کا مقصدِ مدارس سے بے خبر ہونا ہے، مدرسے والوں نے بھی ان کی فہم کے مطابق مدارسِ دینیہ کی ضرورت و اہمیت سے اُنہیں واقف کرنے کا فریضہ ادا نہیں کیا ہے، جب سے دونوں تعلیموں کے فضلاء کے درمیان فاصلے پیدا ہوئے اجنبیت بڑھ گئی اور اجنبیت توحُّش کا سبب ہوتی ہے لامحالہ وہ اپنی جگہ ان خیالات میں حق بہ جانب اور ہم اپنی جگہ اپنی سوچ میں سچے اور مطمئن رہ گئے۔

اُنہیں نہیں معلوم کہ کتاب وسنت کا بعینہٖ محفوظ رکھنا کتنی بڑی ذمہ داری ہے، انہیں یہ نہیں معلوم کہ کتاب وسنت کی وہ زبان جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے نبی سے خطاب کیا ہے کی حفاظت کرنا کتنی اہم ضرورت ہے، امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عرب عالم بھی اگر حجاز مقدس کی عہد رسالت میں بولی جانے والی عربی اور ان کے مروّج محاورات سے واقف نہیں ہوگا تو خطرہ ہے کہ وہ اپنی عربی سے کتاب وسنت کو سمجھنے کے بہ جائے اس میں تحریف کا مجرم ہو جائے۔انہیں نہیں معلوم کہ فن حدیث اور فہم حدیث کا تحفظ ہر زمانے کی کتنی بڑی ضرورت ہے؛ انہیں نہیں معلوم کہ فقہِ اسلامی کی تکوینی تدوین کے بعد اس امانت کی حفاظت اور اس کی روشنی میں ملت اسلامیہ کی راہ نمائی ہوتے رہنا کتنا اہم مسئلہ ہے۔انہیں نہیں معلوم کہ اہل السنۃ والجماعت کے اسلافِ کرام نے عقائد اسلامیہ کا تحفظ کس جان فشانی اور کیسی کیسی قربانیوں سے کیا ہے اور تواتر و توارث کے ساتھ زمانے کے خرد و برد اور اہل ہَوا و ہوس کے تصرف سے محفوظ ہم تک پہنچایا ہے اور اب ہم پر حفاظت کی کتنی بڑی ذمہ داری ہے، اُنہیں نہیں معلوم کہ اسلام کے نام سے آئے دن جو نت نئے فتنے کھڑے ہو رہے ہیں، میڈیائی اسپیکرس اور دشمنانِ اسلام کے تربیت کردہ اسکالرز کی گم راہ کُن فکریں اور سطحی اشکالات جو پھیلائے جا رہے ہیں ان سے ملت کو بچانے اور ان کا رد کرنے کے لئے مآخذ اسلام کے ماہرین تیار کرتے رہنا کتنا بڑا کام ہے، انہیں نہیں معلوم کہ محراب و منبر اور مسندِ افتاء و قضاء کو منہاجِ نبوت اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی سنت پر برقرار رکھنے کے لئے دُعاۃ و قضاۃ کی تیاری کا کیا مقام ہے، انہیں نہیں معلوم کہ قوم کی بدعات و خرافات اور زمانے کے تہذیبی و ثقافتی تصادمات کا مقابلہ کرسکنے والوں کی ہر علاقے اور ہر زمانے میں کتنی سخت ضرورت ہوتی ہے، اُنہیں نہیں معلوم کہ

قرآن مجید کی قراءات اور اس کے ماثور معانی کی حفاظت مسلمانوں کی کتنی بڑی ضرورت ہے۔

یہ اور اِن جیسے اہم ملی و دینی فرائض ہیں جو مدارسِ اسلامیہ کے قیام کے بنیادی مقاصد ہیں اور جن کی بہ دولت ہی اپنوں اور پرایوں کی ہزار کوششوں اور اسلام کی مصنوعی تصویروں کو پھیلانے کے باوجود اسلام اپنی اصلی شکل میں بھی دنیا میں موجود ہے، حقیقت یہ ہے کہ مدارسِ دینیہ سے فارغ ہونے والے علماء کرام ہی دین کے وہ ناصر وظاہر ہیں جن کا تذکرہ لا تزال طائفة من امتی ظاهرين علی الحق میں زبانِ رسالت سے فرمایا گیا ہے، انہیں اس کی کوئی پروانہیں ہے کہ اہلِ زمانہ کیا کہتے ہیں وہ بس اسی کو دیکھتے ہیں کہ اللہ رسول کیا فرماتے ہیں نیز اللہ رسول کی باتوں کا سلف صالحین نے کیا مطلب سمجھا ہے! وہ ہر طعن وتشنیع اور ہر تنقیص وتضحیک کو سہہ کر بھی اسی پر ڈٹے ہوتے ہیں، مگر افسوس کہ تعلیم یافتہ کہلائے جانے والے طبقے نے مدارس اور اس کے کام کو قریب سے نہیں دیکھا نہ ہی کبھی اپنے خیالات کو حقائق سے جوڑ کے دیکھنا چاہا۔

اسلام کی ان بنیادی ضرورتوں اور اساسی شعبوں کو پورا کرنے کے لئے قائم ان مدارس میں کم از کم مسلمانوں کے دس فی صد بچوں کو حصہ لینا چاہیئے تھا مگر نا قدری ولاشعوری کی بنا صرف دو سے تین فی صد بچے متوجہ ہیں، پھر ان میں غنی بھی ہیں ذہین بھی، امیر بھی ہیں غریب بھی، اس لئے آٹھ دس برس کی محنت کے بعد اُن میں سے بھی جو کریم نکل سکتا ہے وہ اس دو تین فی صد کا ایک چوتھائی یا تہائی ہے جو مذکورہ بالا انتہائی اہم ذمہ داریوں کو پورا کرتے ہوئے سرحداتِ اسلام کا مرابط بنا ہوا ہے، غور کرنا چاہیئے کہ بڑے بڑے دنیوی مفادات اور ذرائع معاش کے حوالے سے حفاظ وعلماء کو مائل کیا جائے گا تو کس کے دل میں دنیا کی ہوس نہیں ہے، ذہین واہلیت رکھنے والے حفاظ اعلیٰ دینی تعلیم کے ارادے سے منحرف ہوجائیں گے مادی لائنوں میں منتقل ہوکر قوم کے دین وایمان درست کرنے کے بہ جائے ان کے دانت بنائیں گے، اور زخم سئیں گے اور آپریشن کریں گے، نقشہ نویسی اور عمارات کی تعمیر ونگرانی کریں گے حتیٰ کہ ماحول کے اثرات سے اپنی شکل وشباہت بھی بدل لیں گے، ایسے واقعات اکّا دُکّا اب بھی سامنے آہی رہے تھے اور اسی کا غم ختم نہ ہوا تھا کہ ان حضرات نے ہزاروں کی تعداد میں حفاظ وعلماء کو ان کے راستوں سے ہٹا کر مادی میدانوں کا مزہ دکھانے کا اعلان عام کردیا ہے۔

کاش! وہ حضرات راہِ دین کی ہر تنگی وتکلیف گوارا کرکے ملت کے دین وایمان اور عقیدہ وتہذیب کی حفاظت کرسکنے والے ان مٹھی بھر علماء کو ان کے راستوں سے ہٹانے اور ان کی خدمت کے نام پر اپنا کاروبار چمکانے کے بہ جائے لاکھوں کی تعداد میں جاہل وغافل امت کے نونہالوں اور نوجوانوں کی طرف نظر عنایت فرماتے، انہیں تعلیم سے آراستہ کرکے اللہ رسول کی خوش نودی اور قوم کی دعاؤں کے مستحق بنتے، مگر زمانے کے

بگڑے ہوؤں کوسنوارنے سے مدارس کے بنے ہوؤں کو بگاڑنا آسان کام تھا اسی کو اختیار کرلیا گیا، اس کا فائدہ بہ جز اس کے کہ علماء اسلام کی ایک چھوٹی سی جماعت کو معاشی طور پر خود کفیل بنادیا جائے اور کیا ہے؟ کیا مدارس خود یہ کام نہیں کر سکتے تھے؟ کیا ان کے سامنے بار بار یہ مشورے نہیں آئے تھے؟ پھر بھی اکابرِ مدارس کی بصیرت نے مدارس سے نکلنے والی اس مٹھی بھر جماعت کو معاشی وسائل اور مادی چمک دمک سے اس لئے دور رکھا تھا کہ ملت کے دین وایمان کے تحفظ میں لگنے کے علاوہ ان کے لئے کوئی چارۂ کار نہ رہ جائے، کرنا بھی چاہیں تو دوسرا کام نہ کرسکیں، اس لئے کہ عالم اگر دنیا کے تلذذات وترقیات تک پہنچ سکتا ہے تو اس کے سینے میں بھی دل ہے وہ اسی طرف مائل ہوگا پھر اس سے راہِ خدا کے مجاہدات کی امید رکھنا کارے دارد ہے، اکابرو اسلاف کی اس حکمتِ عملی کا صدقہ ہے کہ اب تک دین کو خدام مل رہے ہیں، اب اگر یہ حافظ پلس اور عالم پلس کی تحریکیں کارگر ہوگئیں اور یہ مٹھی بھر جماعتِ علماء اس کی نذر ہوگئی تو پھر مدارس اور مساجد کا اور امت کے دین کی سلامتی کا خدا ہی حافظ ہے۔

یہاں میں یہ بھی واضح کردوں کہ میں مدارسِ دینیہ میں علماء کرام کے لئے بہ قدر ضرورت سائنسی وعصری تعلیم، انگریزی وعلاقائی زبان سکھانے کا مخالف نہیں ہوں، اس کے لئے تو میں خود کوئی بیس پچیس سال سے آواز اُٹھارہا اور ضرورت بتلا رہا ہوں، مگر یہ صرف علماء کے کام یعنی دعوت ودفاعِ اسلام میں معاون علم اور مددگار زبان کی حیثیت سے ہونا چاہیئے، جیسے منطق وفلسفہ کسی دور میں علماء کے لئے مفیدِ دعوت ودفاع تھے، اسی طرح اس زمانے میں ان علوم سے بہ قدر ضرورت واقفیت اور علاقائی وعالمی زبان پر قدرت تبلیغ وتعلیمِ دین میں مددگار ہے، یہ ضرورت اگر مدرسے کے ماحول میں پوری کی جائے گی تو اس کی حیثیت ضمنی ہوگی اور علومِ عالیہ کی حیثیت مقصدی ہوگی لیکن اگر علومِ عالیہ سے فراغت کے بعد فضلاء علوم عصریہ میں جائیں گے تو ان علوم کی حیثیت اب ضرورت اور ضمنیت کی نہیں رہ جائے گی بل کہ ذریعۂ معاش اور کمال کی ہوجائے گی، ان دونوں صورتوں میں نتیجے کے اعتبار سے زمین آسمان کا فرق ہے جو بادی النظر میں سمجھ میں نہیں آئے گا، تدبُّر وتقابل کے ذریعے محسوس ومعلوم ہوسکتا ہے، اس لئے اِن اسکیموں اور تحریکوں کا نتیجہ ضیاعِ علماء کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوسکتا۔

افسوس اور تعجُّب تو اس پر ہے کہ ایسا کرنے والے حضرات ملک کے نام ور علماء کرام کی سرپرستی کا دعویٰ کررہے ہیں اور باقاعدہ ان کی تصاویر بھی انٹرنیٹ پر لگا رکھی ہیں، مجھے نہیں معلوم کہ اس سرپرستی کی کیا حقیقت ہے، میں اپنے ان اکابر کا قدرداں اور ان کے علم وعمل کی رفعتوں کے سامنے سرنگوں ہوں، مجھے لگتا ہے کہ ان کی تائید حقائق کے ابہام واخفاء کی وجہ سے ہوگی۔ اور یہ بات کہ حافظ پلس کی یہ تحریک صرف ترکِ تعلیم کرنے والے حفاظ کے لئے ہے بہ ظاہر حقیقت سے بعید معلوم ہوتی ہے، کیوں کہ تجربہ اس کی شہادت نہیں دیتا کہ ایک

سال میں دس ہزار ڈراپ آؤٹ حفاظ دستیاب ہو سکتے ہیں، اور اگر حفاظ کے بارے میں یہ مان بھی لیا جائے تو عالم پلس کی کیا تاویل ہوسکتی ہے؟ انہیں تو یہی کہہ کر بُلایا جا رہا ہے کہ کیا عالم ڈاکٹر انجینئر نہیں بن سکتا؟ بن کیوں نہیں سکتا، بہت اچھا بن سکتا ہے مگر پھر اس کے بعد وہ دین کے کام کا رَہ نہیں سکتا، وہ بھی آپ کی طرح دینی کاموں کو کچھ چندے دے کر اپنی دنیا بناتا رہے گا، دین کو چندوں سے زیادہ رجالِ کار کی ضرورت ہے، اور رجالِ کار اپنا میدان چھوڑ چھوڑ کر جاتے رہیں گے تو انجام کار کیا ہوگا؟ یہ تو ظاہر ہے کہ غبی اور پست ہمت عالم اس میں نہیں جائے گا، جو ذہین اور خود اعتماد ہے وہی جائے گا تو کیا لوگ چاہتے ہیں کہ جو عالم فقیہ بن سکتا تھا، محدث بن سکتا تھا، مفسر قرآن اور معلمِ علوم بن سکتا تھا، محقق العصر ہوسکتا تھا وہ تو دواخانہ کھول کے بیٹھ جائے اور بے چارہ کم فہم اور بطیئ الاستعداد عالم ہے وہ دینِ اسلام کا محافظ اور مسلمانوں کا راہ نما بن جائے ۔

خرد کا نام جنوں رکھ لیا اور جنوں کا نام خرد
جو چاہے تراحسنِ کرشمہ ساز کرے

بہ ہر حال عرض یہ کر رہا ہوں کہ ایک عرصے سے جن لوگوں کو مدارسِ اسلامیہ اور ان کے نظامِ تعلیم وتربیت سے شکایتیں اور ذہنی تحفظات تھے انہوں نے مادی وسائل کے بل بوتے پر حفاظ اور علماء کو سبز باغ دکھا کر ان کی راہ سے ہٹا لینے کا کام شروع کر دیا ہے اور بہ قول شاہین اکیڈمی کے ڈائرکٹر محترم جناب عبدالقدیر صاحب کے اس سال پورے ملک کے طول وعرض سے وہ دس ہزار حفاظ کو عصری علوم کے ماہر بنانے اور پروفیشنل کورسس کرانے کے لئے گود لینے جا رہے ہیں، جس کا مطلب ہے کہ انہیں مدارس کی محنتوں کو بے اثر اور ان کے مقاصد کو سبوتاژ کرنے میں بڑی کامیابی حاصل ہوگئی ہے۔

محنت کرنے والے کو محنت کا صلہ قاعدے کے مطابق ملتا ہی ہے اور جو کچھ انہوں نے بزعم خویش حفاظ وعلماء کا بھلا کرنا چاہا ہے اس کے نتائج تو آنے والا وقت بتائے گا، وقت کا انتظار کرنا چاہئے، میں نے جو کچھ لکھا ہے ان حضرات کی مخالفت میں نہیں اہلِ مدارس سے یہ جاننے کے لئے کہ آپ کے پاس آئے ہوؤں کے اندر آپ اجر وثواب ملنے اور خدا رسول کی خوش نودی حاصل ہونے کا اتنا یقین کیوں نہیں بنا پائے؟ اور امت کا غم؛ ان کی صلاح وفلاح دینی کا فکر؛ اور نبی کی کھیتی کی حفاظت کا شوق ان کے اندر کیوں پیدا نہیں کر پائے؟ کیوں وہ فراغت کے بعد دین کی خدمات میں لگنے کے بہ جائے متاعِ وحطامِ دنیا کی دل فریبیوں کے شکار ہو گئے؟ کیا اِن ہزار ہا بچوں کا اپنی لائن بدل لینا مدارس میں ذہن سازی کرنے اور احساسِ ذمہ داری اُبھارنے کی فکروں میں کمی اور ان کے نظام میں ابتری کا اشارہ نہیں ہے؟

اگر مدارس کے فضلاء یونہی اپنا راستہ بدلتے اور قبلہ تبدیل کرتے اور مقاصد کو پامال کرتے رہیں گے تو مدارس کی محنتیں اور قوم کا سرمایہ بھی ضائع ہوگا اور دینِ خدا بھی ملحدین وزنادقہ کے ہاتھوں میں چلا جائے گا میری باتیں مبالغے پر محمول کی جاسکتی ہیں مگر میں یاددلانا چاہتا ہوں کہ ہم لوگوں نے بہت سی باتوں کو قبل از وقت سمجھ کر نظر انداز کیا ہے جس کے خمیازے اب ہمیں ہی بھگتنے پڑ رہے ہیں، جب کہ ہمارے اسلاف بروقت حالات وحوادث کی نشان دہی بھی کرتے اور مقابلہ بھی شروع کر دیا کرتے تھے۔

چوتھا مسئلہ داخلی بھی ہے خارجی بھی ، وہ ماڈرن ٹکنالوجی بالخصوص اسمارٹ فون سے طلبہ وعلماء کا والہانہ شغف ہے، مدارس کا اندرونی نظام یہ لکھتے ہوئے شرم آتی ہے کہ بعض جگہ تو اس قدر ناقص ہے کہ طلبہ واساتذہ ہر طرح کی خرافات اور اسمارٹ فون کی فحاشیات میں بہ آزادی مبتلا ہیں ،بعض جگہ اساتذہ طلبہ کو لے کر فون میں مشغول دیکھے جاتے ہیں ،نظماء کا بھی بہت وقت اسی بلائے بے درماں کی نذر ہورہا ہے، ایک عجیب سما اور بُرا سمے ہوتا ہے جب یہ ہاتھ میں آجاتا ہے ، رات رات بھر اساتذہ کا فلموں میں مشغول رہنا بعض مدارس کے ذمہ داروں سے سنا گیا ہے، ایسے مدارس کا تو خدا ہی حافظ ہے، خدا جانے یہ مدرسہ ہے یا چندے جمع کرنے کا اڈہ اور نوٹ چھاپنے کی مشین ہے؟ ان غیرت وحمیت کے دشمنوں کو مسلمانوں کے بچے صرف اپنی جیب گرم کرنے کے لئے مل گئے ہیں ، ان لوگوں کی سنگ دلی اور بے حسی پر تو خون رونے کی جی چاہتا ہے نہ قانونی پکڑ ہے نہ اخلاقی گرفت کی کوئی صورت !اعاذنا اللہ من ھذہ الذلۃ العاجلۃ وعذاب الاٰخرۃ

بعض مدارس میں اس کی نگرانی کا نظم ہے پھر بھی بعض طلبہ اپنی چالاکیوں سے اسمارٹ فون سے رشتہ بنائے ہوئے ہی رہتے ہیں ، انجام کو نہیں سوچتے ، اس سے اخلاق تو بگڑ ہی رہے ہیں صحبتیں بھی خراب ہو رہی ہیں ، تاہم ذمہ دار حضرات اپنے بس سے زیادہ کیا کنٹرول کر سکتے ہیں؟ اس کے لئے وہی بات ہے کہ انتظامیہ واساتذہ طلبہ کے سامنے خود مقدور بھر احتیاط کرتے ہوئے اِنہیں تنبیہ کرتے رہیں اور ممکنہ خطرات سے خبردار کرتے رہیں، بات گھوم پھر کے اسی پر آتی ہے کہ مدارس میں ماڈل رول اور آئیڈیل شخصیات کی سخت ضرورت ہے، خدا کرے کہ اس جانب توجُّہ ہوجائے کہ مدرسوں میں اہلِ تقویٰ اساتذہ کو ترجیح دی جائے اور خود مہتمم اپنے کو علم وعمل کا جامع بنائے تاکہ طلبہ اُن جیسا بننے کا شوق اپنے اندر محسوس کریں۔

مدارس سے نکلنے کے بعد فضلاء مدارس کا اسمارٹ فون میں جو ابتلائے عام نظر آرہا ہے وہ نشے کی لت کی طرح ہے، دن رات یہی مشغلہ ہے بس ناگزیر مصروفیت کے علاوہ پورا وقت اسی صنم بے رحم کی پرستش میں نکل رہا

ہے، کچھ فضلاء دینی کاموں کے نام پر دین سے زیادہ لایعنی ومعصیت کے کاموں میں مبتلا ہیں اور کچھ سراسر معصیات وبے حیائی کے مشاغل میں لگے ہوئے ہیں، افسوس کہ جو لوگ امت کو خوابِ غفلت سے جگانے اور گناہوں کو چھڑا کر خدا سے ملانے کے لئے تیار کئے گئے تھے اور جن کی تیاری پر اساتذہ کی دن رات کی محنتیں اور قوم کا قیمتی کسبِ حلال صرف ہوا تھا وہ لوگ ہی جب ان خرافات وواہیات میں مبتلا رہیں گے نمازوں میں تک لاپرواہی کریں گے تو کیا وہ خفتہ را خفتہ کئے کند بیدار کے مصداق نہیں ہوجائیں گے؟

فضلاءِ مدارس علماء وصلحاء کی شکلوں میں تو ہیں مگر اب ذوق بالکل اُن سے مختلف ہوتا جارہا ہے، نعت سنانے کے لئے کہو تو موبائیل میں دیکھ کر سناتے ہیں، تلاوت کرنے کے لئے کہو تو موبائیل سامنے رکھ کر کرتے ہیں، تقریر کرنے کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو موبائیل ہاتھ میں رہتا ہے، جلسوں اور اسٹیجوں پر دیکھو تو موبائیل میں مشغول دکھائی دیتے ہیں، یعنی موبائیل تو ایک آفت ہے ہی اس کی نمائش اس سے بڑی آفت بن گئی ہے، بسا اوقات موبائل کے ساتھ اس غالیانہ تعلق کو دیکھ کر عوام مضحکہ بنا رہے ہیں، میرا تجربہ یہ ہے کہ عصری علوم سے وابستہ لوگ اسمارٹ فون سے اتنے جڑے ہوئے نہیں ہیں جتنے دینی علوم سے وابستہ حضرات جڑے ہوئے ہیں، الا ماشاء اللہ! ایسے حالات میں اہل مدارس کی بڑی ذمہ داری ہے کہ تربیتِ طلبہ کے عناصر میں اس تازہ عنصر کو اہتمام سے شامل کریں، اچھا نظام بنائیں اور خود بھی اچھا مظاہرہ کریں، ہر دور کی ترجیحات ہوتی ہیں یہ اس دور کی تربیتی ترجیح ہے۔

بہ ہر حال فضلائے مدارس کے اسمارٹ فون کے ساتھ اس شغف نے ان کو عوامی رابطہ بنانے، مکاتب کا جال پھیلانے، مستورات کے لئے تعلیم وتبلیغ کا انتظام کرنے، نوجوانوں کی اخلاقی حالت سدھارنے وغیرہ جیسی اہم ذمہ داریوں سے غافل کر دیا ہے، اس کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے شکیلی، گوہری، قادیانی، عیسائی اور جانے کون کون بھولے بھالے مسلمانوں کو اپنا لقمۂ تر بنانے کی کوششوں میں لگ گئے ہیں، اگر ہم میدان خالی نہ چھوڑتے تو دشمن کو میدان میں اُترنے کی جرأت کیسے ہوتی؟ پس یہ بھی مدارس کی پیداوار کا ضیاع ہے اور اچھی تربیت کی کمی کا نتیجہ ہے۔

یورپ نے کئی برس پہلے اپنے قابل لوگوں کی ٹیم کے ذریعہ پوری دنیا کے مسلمانوں کا سروے کرا کے یہ معلوم کیا تھا کہ حقیقی اسلام کی جگہ ان کا پیش کردہ لبرل اسلام قبولیتِ عام کیوں حاصل نہیں کر سک رہا ہے، اس کی رپورٹ میں سرویئرز نے مسلمانوں کو چار قسموں میں تقسیم کر کے دو کو اپنے حق میں اور دو کو مضر بتلایا تھا، ۱۔ دین

بے زار مسلمان: جن سے انہیں کوئی خطرہ نہیں ۲ سیکولر اور وسیع المشرب مسلمان: یہ ان کے حق میں مددگار رہیں ۳ روایت پسند مسلمان: جو علماء ومشائخ کی تقلید کرتا ہے ۴ بنیاد پرست مسلمان: جو سلف کے راستے پر چلتے ہوئے کتاب وسنت پر مضبوطی سے جمنے کو ضروری سمجھتے ہیں۔ ان میں سے تیسرے کو انہوں نے ٹریڈیشنلسٹ اور چوتھے کو فنڈامنٹلسٹ کہہ کر دشمنانِ اسلام کے منصوبوں کی کامیابی اور لبرل اسلام کے فروغ میں مانع اور دافع کہا تھا، اب آپ غور کیجئے کہ چوتھے کا مصداق علماء اور تیسرے کے مصداق دین پسند عوام کے اور کون ہو سکتے ہیں؟ اور ان لوگوں کا وجود سچ پوچھئے تو مدارسِ دینیہ اور قرآن وحدیث کی حفاظت وتعلیم اور اس کی دعوت کے مراکز ہی ہیں، جب یہ تحقیق ہوئی تھی اور باقاعدہ مفصل ومکمل رپورٹ انٹرنیٹ پر آچکی تھی، کسی جاننے والے کے بتانے سے مجھے معلوم ہوئی تھی اس وقت سے میں برابر غور کر رہا ہوں کہ آخر الذکر چوتھے طبقے پر مسلسل حالات اور ناگفتہ بہ حالات پیش آرہے ہیں، جن کی تفصیل کی ضرورت نہیں کہ عیاں راچہ بیاں؟ بہرحال اس وقت علماءِ حق اور مدارسِ دینیہ دشمنانِ اسلام کے دلوں کی کھٹک اور آنکھوں کا کانٹا بن گئے ہیں، اس لئے وہ اپنے عزائم کے راستے سے ہٹانا چاہتے ہیں۔

مدارس دینیہ اور علماء دین کے اثر ورسوخ کو ختم کرنے کی مساعی عرب ملکوں میں کامیاب ہو چکی ہے، برصغیر میں تدبیریں جاری ہیں، سب جانتے ہیں کہ جب تک یہ مُلّا نے اپنی اصل پر قائم رہیں گے حقیقی اسلام کو فریبی اسلام سے بدلا نہیں جا سکے گا، برصغیر کے حکم رانوں پر عالمی قیادتوں کا دباؤ بڑھتا جا رہا ہے چوں کہ ابھی برصغیر میں کھل کر یہ اقدام نہیں کیا جا سکتا تو خاموش حربوں سے حکم راں اپنے سیاسی آقاؤں کو خوش رکھنے کا کام جاری رکھے ہوئے ہیں اور مدارس کی آزادی کا دائرہ قانونی جکڑوں سے تنگ کرنے کی پلاننگ چل رہی ہے، ادھر انگریزی نظامِ تعلیم سے متأثرہ مسلمان غلط فہمی اور حقیقت ناشناسی کی بناء مدارسِ دینیہ کو فرسودگی وقدامت کا لیبل دے کر نظرِ بد سے دیکھ رہے ہیں، زکواتیں مدارس سے روک کر کالجس میں پڑھنے والوں پر لگانے کے بڑے بڑے آپریشن کئے جا چکے ہیں، ناظموں کے کھاتوں میں اور سفیروں کے کمیشن میں چلے جانے کا بہانہ کر کے نیز غریبوں کا حق ہونے کی باتیں کر کے مال خود ہی تقسیم کرنے اور بہت سے بے ضرورت چالاک لوگوں کے گھر بھرنے کا راستہ اختیار کر لیا گیا ہے، اس کے باوجود مدارس چل رہے ہیں اور قوم کروڑوں کے مصارف دے رہی ہے تو اب نت نئے حربے اور آزما کے دیکھے جا رہے ہیں، علماء سمجھیں کہ ان حسین پردوں کے پیچھے دانستہ یا نادانستہ طور پر انہیں وسعتِ صحراء سے نکال کر شہر کا خوگر بنانے کی سازشیں تو نہیں ہو رہی ہیں۔

مدارس کے ماحولوں میں جو گرمیٔ ایمان سرد پڑتی جا رہی ہے اور عزیمت ورشد اور زہد واتقاء کے سائے

گھٹتے جارہے ہیں ، مقاصد کی راہ نمائی اور میادینِ کار کے لئے تیاری کماحقہ نہیں ہو پارہی ہے ، نفوسِ قدسیہ اور رجالِ ربانیہ کی جو قلت ہوتی جارہی ہے اسی سے طلبہ کے ذہن کیا کم متأثر ہورہے تھے کہ باقاعدہ انہیں قناعت وصبر اور ایثار ومجاہدہ کے راستے سے ہٹا کر دنیا طلبی اور معاشی خوش حالی کے میدانوں میں قسمت آزمائی کے راستے دکھائے جارہے ہیں تو آپ ہی سوچئے کہ سرمایۂ ملت کو وہ نگہبان کیسے ملیں گے ، جو ہر قسم کے ایثار وقربانی کے جذبات سے معمور ہوکر اور ہر ہوسِ دنیا سے دور رَہ کر صرف اور صرف ملتِ اسلامیہ کے دین اور بندگانِ خدا کے ایمان کو سلامت رکھنے ؛ امانتِ کتاب وسنت کی حفاظت کرنے اور اسے چاردانگِ عالم میں پھیلانے کی خاطر اپنے آپ کو وقف کردیتے تھے ، ان کے ہاں کام کے اعتبار سے دن رات یکساں ہوجاتے تھے ، وہ اپنے نبی کی طرح ہر وقت **اللھم امتی امتی** کے گُن گاتے رہتے تھے ، جن کے سینوں میں گرم دل اور جسموں میں تڑپتی روحیں ہوتی تھیں جن کی فکریں بلند ؛ عزائم مضبوط ؛ اور جہد وعمل لامثال ہوتے تھے ، جن کی راتیں رحمٰن کے قدموں میں سر رکھ کر بسر ہوتیں اور دن نبی کے مِشن کو زندہ رکھنے میں گذر جاتے تھے ، وہ جو اسلام کے ہر دشمن کو تہ تیغ کرنے اور ہر ملحد وزندیق کو اپنی اوقات دکھانے کا ہنر جانتے تھے ، وہ جو اللہ کے دین کی خاطر جیلوں میں سڑ سکتے ؛ سولیوں پر چڑھ سکتے اور دار ورسن کو شوق سے چوم سکتے تھے ، جن کے لئے فقر وفاقہ گھر کی چیز اور زہد وقناعت پسند کا خاصا ہوتا تھا ، جو ایک طرف شریعت وسنت کی سوغات بانٹتے رہتے تو دوسری جانب جامِ عشق ومحبت پلانے کا کام کرتے رہتے تھے ، وہ جن کے بڑے بڑے کاروبار اور موروثی جائیدادیں بھی انہیں فریضۂ خدمتِ دین ومسلمین سے ایک لحہ غفلت برتنے نہیں دیتے تھے ، وہ جن کی للکاریں ایوانِ شاہی کو ہلا دیتیں ، آہیں آسمانوں کو چیر ڈالتیں ، اور دعائیں ارض وسما کا ماحول بدل دیتی تھیں ، وہ جن کی نظر کیمیا اثر اور زبان ہدایت کی ترجمان تھی۔

آہ ! کہاں تک اپنے اکابرو اسلاف کی صفاتِ قیادت اور خصال رشد وہدایت اس مختصر مضمون میں بیان کروں؟ تاریخ ان کی تابناک زندگیوں اور انقلاب آفریں قربانیوں سے بھری پڑی اور اخلاف کو دعوتِ عبرت وسبق آموزی دے رہی ہیں ، لیکن افسوس کہ ہم اُن کو دیکھنے کے بجائے غفلت میں ڈوبے اور ہوسِ دولت وشہرت ومناصب کے نشے میں چور اہلِ دنیا کی طرف دیکھ رہے ہیں ، اُن کے مال ومتاع اور اندر سے بے لطف باہر سے پُر شکوہ زندگیوں پر رال ٹپکا رہے ہیں ، اُن جیسے بننے کے جذبات دلوں میں لئے سند فضیلت وعالمیت حاصل کرکے میدانِ عمل میں اُتر رہے ہیں ، اس امت کے حالات کیا ہیں ، غفلت ودین بے زاری کس سطح پر کھڑی ہے ، جہالت وفلاکت کہاں تک پہنچ گئی ہے ، معاشرۂ مسلمین تباہی کے کس دہانے پر پہنچ گیا ہے ، بعض

ناگفتہ بہ حالات پیدا ہونے کے اسباب اور ان کا حل کیا ہے اس کے لئے ہم کیا کر سکتے ہیں وغیرہ کی فکریں وارثینِ انبیاء اور جانشینِ مصلحین کا اصل سرمایہ اور رأس المال ہے، فضلاء میں اس کا پیدا کرنا مدارس کے انتظامیہ واساتذہ کی بنیادی ذمہ داری اور مقصودِ مدرسہ ہے۔

میں فطری تنزُّل اور لازمی انحطاط کی واقعیت سے الحمد للہ بے خبر نہیں ہوں اور نہ ہی اسلاف واکابر کی ہم سری کی خوش فہمی میں مبتلا ہوں، میرا کہنا صرف یہ ہے کہ گو ہم اکابر واسلاف کے معیار پر کھرے نہ اُتر سکیں مگر اُن کے کارناموں اور اُن کے احوال وآثار کے مسلسل تذکرے اور مطالعے کے ذریعے مدارس کے تربیتی ماحول میں جان ڈالنے کی کوششیں کریں اور خود اہل مدارس گو رسماً ہی سہی بڑوں کے اخلاق واوصاف سے متصف ہوجائیں اور طلبہ کے لئے ایک اچھا ماحول اور اللہ رسول سے جذباتی تعلق ولگاؤ کے اسباب فراہم کریں تو فضلاءِ مدارس کا معیارِ خدمت اس سے کہیں اونچا ہوسکتا ہے، جو مدارس کے خشک ماحول اور رسمی سرگرمیوں کی وجہ سے گِر گیا ہے، بل کہ مجھے معاف فرمائے بعض نظماء واساتذہ تو قصداً یا لہواً یا سہواً گرا بھی رہے ہیں۔ عفا اللہ عنا

مدارس کے لئے دو اہم مشوروں پر بات ختم کرتا ہوں

● چھوٹے مدارس جہاں حفظ یا ابتدائی جماعتوں کی تعلیم ہوتی ہے اُن کی ذمہ داری ہے کہ ایک طرف تعلیمی نظام کو معیاری بنانے اور طلبہ کی استعداد کو روبہ ترقی رکھنے کی فکر کریں، دوسری جانب اُن کی عملی زندگی کو مسنون بنائیں اور اخلاقی مہلکات کو اس طرح نکھاریں کہ حیوانیت مغلوب ہوکر ملکوتیت غالب ہوجائے، یعنی بچوں میں صفاتِ رذیلہ سے نفرت پیدا ہوجائے اور صفاتِ حسنہ سے الفت ورغبت، متقی وباعمل حضرات کو نگران یا مربی کی حیثیت سے باقاعدہ تقرر کیا جائے پھر ان کے اندازِ تربیت پر بھی عبوری نظر رکھی جائے تاکہ ضروری اصلاحات وتعاون کا سلسلہ جاری رہے۔

● بڑے مدارس جہاں فوقانی صفوف اور فضیلت تک کی تعلیم ہوتی ہے وہاں طلبہ کے سامنے مدارس دینیہ کے مقاصد اور فضلاء مدارس کی ذمہ داریوں پر آخری سالوں میں مسلسل روشنی ڈالی جاتی رہنی چاہیئے، معاصر جماعتوں اور تحریکوں کی بے راہ روی اور اہل السنۃ والجماعت سے دوری سے واقف کراتے رہنا چاہیئے، معتزلہ وخوارج کی جدید شکلوں کو دلائل کے ذریعے روشناس کرانا چاہیئے، صرف گم راہی کے فتاویٰ سنا دینا کافی نہیں ہے، کبھی کبھی ان اہم موضوعات پر تیار اساتذہ کے ذریعہ مہتمم کی زیر نگرانی مدرسے کے اندر ورکشاپ منعقد کرنا چاہیئے، طلبہ کو سمجھنے پوچھنے اور مطمئن ہونے کا موقع دیا جانا چاہیئے میرے نزدیک مدارس میں طلبہ کی فکر ونظر کی

سلامتی کی فکر مقاصدِ مدرسہ میں دیگر مقاصد سے نسبتاً زیادہ ہونی چاہیئے، مدرسین کی راہ نمائی وتربیت ہونی چاہیئے کہ وہ کس طرح کتاب وسنت کی تعلیم کے دوران کسی بھی مناسب وموزوں موقع کو ضائع کئے بغیر طلبہ کی فکری ذہن سازی کرتے رہا کریں، فیض الباری کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ جہاں ادنیٰ مناسبت بھی ہوئی یقول ھذا اللعین القادیانی کہہ کر اس کے خیالات کا رد ضرور فرماتے تھے، مدرس کا یہی وہ مقام ہے جو تدریس کو ملازمت سے ممتاز کرتا ہے، شارحین کو کیوں کہنا پڑتا ہے کہ دراصل فلاں محدث کے دور میں فلاں فرقے کا زور تھا جس کے رد کا جذبہ ان کے کلام میں جھلکتا ہے، اور فلاں فقیہ کے دور میں فلاں بدعقیدگی پھیل رہی تھی اس لئے اس کی اصلاح کا رنگ ان کے انداز والفاظ میں غالب نظر آتا ہے، یہ امت کا غم اور اپنے فرض کے احساس ہی کا تو نتیجہ تھا، آج کل تدریس فن کا کمال دکھانے کا نام رہ گیا ہے، حالاں کہ کتاب وسنت کی فہم میں کمال اور فکر ونظر میں اعتدال پیدا کرنے کے لئے فرقِ ضالہ عصریہ کے ناقص ونازل افکار ونظریات سے تقابل اپنے مسلک پر بصیرت واطمینان کا مؤثر ذریعہ ہوتا ہے جو فضلاء مدارس کی بنیادی ضرورت ہے۔

آخر میں ذمہ دارانِ مدارس؛ سربراہانِ تحریکات؛ اور فاضل علماء کرام ___ جن کا مضمون میں ذکر ہے ___ کے سامنے یہ وضاحت کردینا ضروری سمجھتا ہوں کہ کسی بھی تحریک یا کام کے کسی ایک پہلو پر تنقید کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ناقد اس کی حسنات اور خوبیوں اور اچھے پہلوؤں کو نظر انداز یا ان کا انکار کررہا ہے، مدارس جس حال میں بھی ہیں ملت کا قیمتی سرمایہ ہیں اور بساغنیمت ہیں مگر جس پہلو کی طرف میں نے مذکورہ بالا سطروں میں توجہ دلانی چاہی ہے وہ پہلو گویا خوب صورت وطاقت ور جسم کی کم زور ہوتی اور بھڑکتی روح ہے کہ اگر وہ نکل جائے تو یہ خوب صورت جسم بے فیض وبے اثر ہو کر رہ جائے گا جو پوری امت کی خودکشی کے مترادف ہوگا، اسی طرح جن جماعتوں اور تحریکوں کا اس مضمون میں ذکر آیا ہے وہ ان پر تنقید سے کہیں زیادہ اہلِ مدارس کو ان کی خامی اور بے حِسی کی طرف متوجہ کرنے کے لئے لایا گیا ہے، ان جماعتوں اور تحریکوں کے امت کے تئیں خلوص وخدمت کا باوجود فکری اختلاف کے میں بھی معترف ہوں اور بہ نظرِ تحسین دیکھتا ہوں۔

حق تعالیٰ سب ہی خدمت گذارانِ دین وملت کو سدادِ فکر وسلامتی عمل نصیب فرمائے حسنات کو قبول فرمائے زلّات کی دنیا میں اصلاح اور آخرت میں مغفرت فرمائے، بالخصوص اہلِ مدارس نظماء واساتذہ کو اپنی عظیم ذمہ داری اور بارِ امانت کے سلسلہ میں نہایت سنجیدہ جائزہ لینے اور خامیوں کو دور کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین والسلام علی النبی الکریم